کوشش کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ روحانی زندگی کا سلسلہ نسل میں بھی قائم رکھے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ رجنوری ۱۹۷۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی:-

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۶

(الانعام:۹۶)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

دمشق سے ہمارے ایک عزیز نوجوان السید ابوالفرج الحصنی صاحب اردو اور دینی تعلیم کے حصول کیلئے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ چند دن یا شاید ایک دو ہفتے ہوئے کہ دمشق میں اُن کی والدہ (جو احمدی نہیں تھیں) وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرة:۱۵۷) اگر انسان کو صرف اپنے ماں اور باپ کے پیار کا سہارا ہوتا تو ان کی جُدائی پر انسانوں پر ایک مصیبت نازل ہو جاتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں یہ بتایا گیا کہ ہمارا پیدا کرنے والا ربّ ہم سے کتنا پیار کرتا ہے۔ وہ ہم سے ہماری ماؤں سے بھی زیادہ اور ہمارے باپوں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ اس لئے ہماری یہ دعا ہے کہ ہمارے یہ عزیز بھائی خدا تعالیٰ کے اس پیار کو پانے والے ہوں اور والدہ کی جُدائی اُن پر شاق نہ گذرے۔

جہاں تک زندگی اور موت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے زندگی اور موت کو اپنے بنائے ہوئے قانون کے اندر باندھ رکھا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ جو سب قدرتوں کا مالک ہے اور تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہے اور جس کے اندر کوئی عیب کمزوری اور نقص نہیں اُس نے بتایا ہے کہ میں ہی مُردہ سے زندہ کو پیدا کرتا ہوں اور پھر زندوں سے موت کو نکالتا ہوں زندگی اور موت صرف انسانوں سے تعلق نہیں رکھتی صرف جانداروں سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ غیر جانداروں سے بھی اس کا تعلق ہے۔مثلاً درخت ہیں گو اُن میں زندگی تو پائی جاتی ہے۔لیکن وہ انسان کی طرح زندہ نہیں ہوتے اسلئے وہ زندہ بھی ہوتے ہیں اور مُردہ بھی ہوتے ہیں۔وہ خوبصورت پُھولوں اور پھلوں سے لدے ہُوئے بھی ہوتے ہیں اور ھشیم یعنی سُوکھی ٹہنیوں کی طرح بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔درختوں میں بھی خدا تعالیٰ کا یہ قانون جاری ہے کہ اجتماعی اور نوعی زندگی اور بقا کے لئے درخت کی موت میں سے زندگی کا چشمہ پھوٹتا ہے مثلاً کیلے کا درخت ہے جب یہ اپنے موسم میں پھل دیتا ہے تو پھل دینے والے تنے کو ناکارہ سمجھ کر کاٹ دیا جاتا ہے لیکن اس کی جڑوں میں سے تین چار کیلے کے پودے نکل آتے ہیں جن سے خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق اچھا پھل بننا ہو تو وہاں سے نکال کر دوسری جگہوں پر لگا دیا جاتا ہے اور اس طرح ایک سے کئی پودے نکلتے رہتے ہیں۔بعض درخت اپنے پیچھے بظاہر زندگی سے محروم بیج چھوڑ جاتے ہیں مگر اس بیج میں سے جس میں انسان کی ظاہری آنکھ زندگی نہیں دیکھ رہی ہوتی اللہ تعالیٰ اس میں سے زندگی کو پیدا کرتا ہے۔مثلاً آم کی گٹھلی سے آم کا پودا نکل آتا ہے اور مالٹے کی ٹہنیوں سے جو درخت سے کٹنے کی وجہ سے بظاہر مُردہ ہو جاتی ہیں انسان اُن سے آنکھ پیوند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔

پس موت سے زندگی کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم قانون ہے اس میں اس کی ایک زبردست شان نظر آتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ قانون اپنے ہاتھ میں رکھا ہُوا ہے۔پھر زندگی اور موت دونوں جسمانی بھی ہوتی ہیں اور روحانی بھی۔ جہاں تک بنیادی قوانین کا تعلق ہے یہ دونوں پر حاوی اور جاری ہیں۔جب انسان کی اپنی ہی شامتِ اعمال کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کو

اس کی زندگی ختم کرنا مقصود ہو تو وہ انسان جسمانی طور پر وفات پا جاتا ہے گو اس طرح جسمانی اور روحانی لحاظ سے اس کا دُنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا لیکن ایک شخص جو روحانی طور پر خدا تعالیٰ کا فدائی اور جاں نثار ہوتا ہے جب وفات پا جاتا ہے تو اس کی نیکی کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتی ہے۔ اس کی مثال اس درخت کی ہوتی ہے جس کی جڑوں میں سے ویسے ہی یا بعض دفعہ اس سے بھی اچھے پودے نکلتے نظر آتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ سے پیار نہیں کرتا وہ جب مر جاتا ہے تو اس کے درختِ وجود سے ایسے پودے نکلتے نظر نہیں آتے بلکہ کیا جسمانی اور کیا روحانی ہر دو لحاظ سے اس دنیا میں اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے انسان اور اس کی زندگی کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ قمر میں فرمایا ہے کہ جب لوگوں نے ہمارے رسولوں کا انکار کیا اور ان کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے اور اس طرح انہوں نے ہماری ناراضگی مول لی تو دُنیوی لحاظ سے ہم نے ان کو كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (القمر: ۳۲) یعنی ان سوکھی ہوئی ٹہنیوں کی طرح بنا دیا جن سے ایک باڑ بنانے والا باڑ بناتا ہے اور جن کے اندر کوئی زندگی نہیں ہوتی۔

ھشیم کے معنے ٹوٹی ہوئی یا توڑی ہوئی چیز کے ہوتے ہیں مثلاً گندم کے متعلق کہا جائے تو یہ بُھو سے کی شکل میں ہوگی اور اگر یہ لفظ درختوں کے متعلق استعمال ہو تو ایسے درخت کو بھی ہم ھشیم کہیں گے جو جڑوں سے نکل کر خشک ہو گیا ہو اور زندگی کی کوئی رمق اس کے اندر باقی نہ ہو اور ان سوکھی ہوئی ٹہنیوں کو بھی ہم ہشیم ہی کہیں گے جو خواہ ہمیں درخت پہ نظر آئیں خواہ وہ درخت سے کٹ کر الگ ہو گئی ہوں خود ٹوٹ کر علیحدہ ہو گئی ہوں یا کسی توڑنے والے نے ان کو توڑ دیا ہو۔

پس خشک ٹہنیوں کو عربی زبان میں ھَشِیم کہتے ہیں اسی لئے عربی میں جب تھشم الشجر کہیں تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ درخت سوکھ کر گر گیا غرض سورۂ قمر میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جس طرح وہ اپنی حکمت کاملہ سے انسان کو سبق دینے کے لئے درختوں کی ٹہنیوں یا خود درختوں سے اُن کی زندگی کو چھین لیتا ہے اسی طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے منکرین پر اپنا عذاب نازل کرتا اور حیات اُن سے چھین لیتا ہے جس سے تم یہ سمجھ لو کہ جس شخص یا جس قوم میں روحانی طور پر زندگی کا سلسلہ ختم ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے قہر کا مورد بن جاتی ہے اسی لئے جہاں ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ تم خاتمہ بالخیر کی دعا کرو وہاں

مخلص بندوں سے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم اپنی اولاد کے لئے دعا کیا کرو کہ تمہارے لئے تمہاری اولاد قرۃ العین بنے۔ یعنی وہ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو۔ایک کروڑ پتی شخص جس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ قرآن کریم کی اُسے سمجھ ہوتی ہے اُس کے لئے اس کی اولاد قرۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک اس وقت بنتی ہے جس وقت وہ تجارت میں یا زراعت میں یا چالاکیوں میں یا دوسروں کی دولت کے استحصال میں بڑی مہارت حاصل کرلے لیکن ایک دیندار شخص جس کا اپنے رب سے زندہ تعلق ہوتا ہے اس کی اولاد تو اس کیلئے قرۃ العین اس وقت بنتی ہے جس وقت وہ دیندار بنے یعنی خدا تعالیٰ سے روحانی زندگی پانے لگے اسی لئے اسلام نے تربیت اولاد پر بڑا زور دیا ہے۔پس ہر شخص کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے اسے یہ بات ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُسے جو روحانی زندگی عطا فرمائی ہے اس کا سلسلہ اس کی نسل میں بھی جاری رہے اور جو اس شخص کی اولاد ہے۔اس کے بچے ہیں ان کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے بزرگ باپ نے اپنی زندگی میں اُن کے لئے ایک مثال قائم کی ہے اس مثال کے مطابق انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور پیار کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تا کہ جو روحانی نعمتیں ان کے بزرگوں کو ملیں (یہ روحانی نعمتیں ورثہ میں نہیں ملا کرتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں عظیم اور مقبول مجاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہیں) وہ ان کے حصہ میں بھی آئیں تا کہ خاندان میں روحانی زندگی جاری وساری رہے۔

آج جمعہ کے دن (ویسے تو یہ پچھلی رات کا واقعہ ہے لیکن میں آج اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اسلامی کیلنڈر کی رو سے ہمارا دن غروبِ شمس سے شروع ہوتا ہے اس لئے ہمارے کیلنڈر کے لحاظ سے آج جمعہ کی رات قریباً دس بج کر ۲۵ منٹ پر ہمارے ایک بزرگ بھائی حضرت مرزا عزیز احمد صاحب وفات پا گئے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کے پوتے تھے۔ اپنے والد سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلقۂ بیعت میں آئے اور احمدی ہوئے اور اس طرح ان کی روحانی حیات شروع ہوئی۔ پھر وہ خلافت سے بھی وابستہ رہے پھر ان کے والد حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ میں عمر میں اپنے چھوٹے بھائی اور خدا تعالیٰ کی

نگاہ میں امام وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی توفیق ملی۔

حضرت مرزا عزیز احمد صاحبؓ علی گڑھ یونیورسٹی میں اس وقت داخل ہوئے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا نور پھیلا رہے تھے۔ یعنی اس وقت قریباً جوانی کی عمر ہو چکی تھی۔ آپ نے لمبی عمر پائی مجھے ان کی صحیح عمر تو یاد نہیں وفات کے وقت کم و پیش ۸۲ سال کی عمر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا لمبا عرصہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ بڑے بے نفس انسان تھے اور بڑے ہنس مکھ اور خوش مزاج انسان تھے اور بڑی دعائیں کرنے والے انسان تھے اور انسان سے بڑا پیار کرنے والے انسان تھے اور بچوں کی تربیت کا بڑا خیال رکھنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا صبر عطا کر رکھا تھا۔ جب آپ کی پہلی بیوی وفات پا گئیں اور اُن کے بطن سے اِن کے دونوں بیٹے بھی فوت ہو گئے تو ان کی وفات کے صدمے کو انہوں نے بڑے صبر سے برداشت کیا۔ پھر جب حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی سے اُن کی شادی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس صبر کا اجر یہ عطا فرمایا کہ اِن کی نسبتاً بڑی عمر میں دو اور بیٹے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ مزید پیار بھی حاصل ہوا کہ اِن کے صبر اور اپنے لئے ان کی محبت کو دیکھ کر ان کے ہر دو بچوں کو اسلام کے لئے محبت رکھنے والے دل عطا فرمائے۔ آپ کے دونوں بیٹے واقف زندگی ہیں اور بڑے اخلاص سے سلسلہ کے کام کرنے والے ہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ جس طرح کیلے کا پودا پھل دینے کے بعد اپنی جڑوں سے دو چار مزید پودے نکالتا ہے اور اس لحاظ سے ہم اُسے مردہ نہیں کہہ سکتے بلکہ اُس کا خاندان زندہ ہے اسی طرح حضرت مرزا عزیز احمد صاحب جسمانی لحاظ سے تو وفات پا گئے ہیں مگر وہ روحانی طور پر زندہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو روحانی طور پر زندہ کیا ان کو خدا کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ تاہم اُن کے بیٹوں پر اب ذمہ داری بھی آپڑی ہے۔ باپ کی زندگی میں بعض بچے بعض دفعہ کچھ لاپرواہ بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اگر وہ غلطی کریں تو باپ تصحیح کر دیتا ہے ان کی غلطی کو دُور کر دیتا ہے غرض وہ اُن کی ہر رنگ میں تربیت کرتا ہے۔ مگر جب انسان کو اپنی بقا کی ساری ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر خود ہی اٹھانی پڑتی ہیں تو

پھر اُسے خود ہی اپنا مربی بھی بننا پڑتا ہے۔اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا (بخاری کتاب الصوم) کہ انسان پر اس کے نفس کا بھی حق ہے۔ پس انسانی زندگی میں جب یہ لمحہ آتا ہے کہ اس کا بزرگ باپ داغ مفارقت دے جاتا ہے تو پھر کوئی باہر سے آکر اس کا مربی نہیں بنتا۔اس صورت میں انسان خود اپنا استاد بھی ہوتا ہے اور اپنا شاگرد بھی ہوتا ہے یعنی خود اپنی تربیت بھی کررہا ہوتا ہے اور دوسروں سے تربیت حاصل بھی کررہا ہوتا ہے۔غرض حضرت میاں عزیز احمد صاحب کی جدائی سے اُن کے بیٹوں کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے حضرت میاں صاحب کی مغفرت فرمائے اور اُن کی اولاد کو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور اُن کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائے۔جیسا کہ مَیں نے ابھی بتایا ہے کہ اس دُنیا میں بھی زندگی کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ موت کے سرچشمہ سے زندگی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ چنانچہ حقیقی زندگی مسکراہٹ اور بشاشت کا دوسرا نام ہے۔ جو درخت مرجاتا ہے یا جب درخت مرجاتے ہیں تو باغ پر مُردنی چھا جاتی ہے لیکن جو درخت زندہ ہے اور اس کی زندگی کی علامت یہ ہے کہ سبزہ ہے اس کے پتوں پر پھول ہیں اس کی ٹہنیوں پر اور وہ پھلوں سے لدا ہوا ہے تو گویا اس کی سرسبزی وشادابی اور اس کے پھول اور پھل اس کی دلآویز مسکراہٹوں کے مترادف ہیں یہی وجہ ہے کہ سرسبز اور پھول دار درخت کے وجود میں شاعر مسکراہٹیں دیکھتا اور اپنے کلام کو پھولوں کی طرح خوشنما بناتا ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے ہیں۔ہمیں روحانی حیات میں جو خوشیاں اور مسکراہٹیں اور بشاشتیں نظر آتی ہیں یہ ہمیں کہیں اور نظر نہیں آتیں۔ چنانچہ ربوہ ہماری مسکراہٹوں کا مرکز ہے۔اس کی مسکراہٹیں قائم رہنی چاہئیں۔اہل ربوہ کے چہروں پر بھی اور ربوہ کی فضاؤں میں بھی اور اس کی ہواؤں میں بھی مسکراہٹیں کھیلتی رہنی چاہئیں۔ ربوہ کی گلیوں میں بھی اور اس کی شاہراہوں پر بھی مسکراہٹیں نظر آنی چاہئیں۔ چنانچہ انہی مسکراہٹوں کو نمایاں کرنے کے لئے میں نے مجلس صحت کا اجراء کیا تھا اور اس کے قیام پر اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اہل ربوہ گھروں میں پھلدار اور کھلے میدانوں اور سڑکوں پر سایہ دار درخت لگا کر ربوہ کو ایک خوبصورت باغ کی شکل میں تبدیل کردیں کیونکہ علاوہ اور بہت سے فوائد کے ہمیں لہلہاتے ہوئے درختوں میں

خدا تعالیٰ کی قدرتیں جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں جن سے انسان بہت سے جسمانی اور روحانی فائدے اُٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ میری اس تحریک پر پچھلے سال موسم خزاں کے آخر میں جو درخت لگائے گئے تھے۔ مجلس صحت کی طرف سے موصول ہونے والی رپورٹ کے مطابق اُن پر جو حالت گذری اور جن حادثات کا ان کو سامنا کرنا پڑا خدا تعالیٰ درختوں کو بھی اور انسان کو بھی اُن حادثات سے محفوظ رکھے کچھ تو بچوں نے توڑ تاڑ دیئے۔ میں کہتا ہوں ایک احمدی طفل اگر درختوں کو توڑتا ہے تو اس کے ماں باپ ذمہ دار ہیں پھر کچھ درخت آندھیوں کی نذر ہو گئے کچھ درختوں کو زندگی کا پانی نہیں ملا اور وہ مُرجھا گئے کچھ درختوں کو غذا نہیں دی گئی۔ درختوں کو غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے یعنی یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ جس جگہ درخت لگایا گیا ہے وہاں اس کے پنپنے کے لئے حالات ساز گار ہیں یا نہیں۔ دو تین سال ہوئے ہم نے اپنی زمینوں پر ایک بڑ کا درخت لگایا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ گرمیوں میں اس کی شاخیں نکل آئیں اور وہ بڑا خوبصورت لگتا لیکن جب موسم سرما آتا اور کورا پڑتا تو وہ مرجھا جاتا پھر گرمیوں میں اس کی جڑ میں سے ایک اور شاخ نکل آتی تھی۔ دو سال تک ہم اس کے ساتھ اسے زندہ رکھنے کا کھیل کھیلتے رہے مگر بے سود۔ چند مہینے ہوئے ان سردیوں سے پہلے مجھے خیال آیا کہ یہ درخت تو بڑا مظلوم ہے۔ جس جگہ ہم نے اسے لگا رکھا ہے اس جگہ زمین کے دو فٹ نیچے ریت کی موٹی تہ شروع ہوتی ہے جس میں درخت کے لئے کوئی غذائیت موجود نہیں غذا نہ ملنے کی وجہ سے اس میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ شدت سرما کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ میں نے اس کے اردگرد گوبر کی کھاد ڈلوادی اور اب اتنی سخت سردی کے باوجود وہ بڑا اچھا اور سرسبز ہے اور بہت خوبصورت لگتا ہے۔ پس درختوں پر بھی گو اللہ تعالیٰ ہی کا قانون کارفرما ہے۔ اصل حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے لیکن اس کے قانون کا ہمیں بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ درختوں کی غذا بھی ضروری ہے اگر اُن کو غذا نہ ملے تو وہ مُرجھا جاتے ہیں۔

پس گذشتہ سال کی شجر کاری ایک تجربہ تھا جس میں درختوں کو ضائع کیا۔ عربی کا محاورہ ہے ’’مَا ضَاعَ مَالُکَ مَا وَعَظَکَ‘‘ کہ جس مال کے ضائع ہونے سے تمہیں نصیحت حاصل ہو اور اس سے تم سبق سیکھو اس کو ضائع نہ سمجھو اس لئے جو درخت ضائع ہو گئے ہیں اگر ان کی

جگہ نئے درخت اس آنے والے موسم میں لگا دیئے جائیں اور وہ چل نکلیں تو تلافی مافات ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اب ۲۵؍فروری کے بعد حکومت کے اعلان کے مطابق درخت لگانے کا موسم شروع ہو رہا ہے نگران مجلس صحت کہتے ہیں کہ انہوں نے اس موسم میں تین ہزار درخت لگانے کا انتظام کیا ہے۔میرے نزدیک یہ تعداد کم ہے۔ میں سمجھتا ہوں اور اس میں کوئی مشکل نہیں کہ ربوہ میں دس ہزار درخت لگنے چاہئیں۔عام حوادث اور ناتجربہ کاری کے پیش نظر اگر پانچ ہزار یعنی پچاس فیصد درخت ضائع بھی ہو جائیں تب بھی میں پانچ ہزار درخت زندہ وسلامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب اگلا موسم سرما آئے تو اتنے درخت اپنی عمر کے لحاظ سے اونچا قد نکال چکے ہوں۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے احباب ربوہ خدا کی بتائی ہوئی تدابیر بھی کریں اور خدا کی بتائی ہوئی دعا بھی کریں خدا کے حضور جھکیں اس سے اس کا فضل مانگیں درختوں کے لگانے اور اُن کی دیکھ بھال کی توفیق مانگیں،عقل مانگیں،فراست مانگیں اپنے بچوں کی تربیت کی توفیق مانگیں میٹھا پانی مانگیں وہ بڑا دیالو ہے۔ وہ ہر چیز دینے والا ہے اپنی ضرورت کی ہر چیز اس سے مانگیں۔میری یہ خواہش ہے کہ ربوہ میں درخت لگا کر اسے سرسبز وشاداب بنادیا جائے۔ میں آپ پر یہ ذمہ داری ڈالتا ہوں یہ بڑا ضروری کام ہے اس میں پورے ذوق اور شوق کے ساتھ حصہ لیں۔

شجر کاری کی اہمیت کو گو سرکاری سطح پر بھی محسوس کیا جاتا رہا ہے لیکن پچھلے ۲۵ سال میں ہمارے ملک میں ہر سال کروڑوں درخت لگائے گئے اور قریباً کروڑوں درخت ہی ضائع بھی ہو گئے اگر ان میں سے نصف تعداد میں بھی درختوں کی حفاظت کرنے کے ہم قابل ہوتے تو اس وقت سارا پاکستان (ہوائی جہاز سے) ایک خوبصورت جنگل یا باغ نظر آتا لیکن اب ایسا نظر نہیں آتا کیونکہ درخت بہت کم ہیں اس لئے محض درختوں کے لگانے پر خوشی کا اعلان جہالت کا اعلان ہے۔ جب درخت بڑے ہو جاتے ہیں جب انسان کے اس زمانہ پر خود درخت کا سبزہ اور اس کی خوبصورتی گواہی دے کہ گویا انسان نے خدا تعالیٰ کے قانون کو سمجھا اور بوقت ضرورت اس کا استعمال کیا اور اس استعمال میں اُس نے محنت کی اور خدا تعالیٰ سے دعا کی اور اس طرح اس کے فضل کو حاصل کیا یہ تو خوشی کی بات ہے لیکن یہ تو خوشی کی بات نہیں کہ ۲۵ سال

تک قوم ہر سال کروڑوں درخت لگائے اور ہر سال کروڑوں درختوں کو ضائع بھی کر دے۔ یہ تو بڑی شرم کی بات ہے یہ تو بڑی نالائقی کی بات ہے۔ اس سے تو گردنیں جھک جانی چاہئیں گردنیں اکڑنی نہیں چاہئیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو بھی بہترین شجرکاری اوران کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی جو میرے پہلے مخاطب ہیں اس کام کی کماحقہ توفیق عطا ہو کیونکہ آپ کی ذمہ داری دوسروں سے بہرحال زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آج روحانی قیادت آپ کے ہاتھ میں دی ہے اسلئے ہر احمدی نے زندگی کے ہر شعبہ میں دوسروں سے آگے نکلنا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ہر احمدی دوست کو انتہائی کوشش کرنی چاہیئے۔

جہاں تک درختوں کے لئے پانی کا تعلق ہے اس کی ابتداء میں نے اس طرح کی کہ وہ ایسے محلے جن میں اس وقت پانی بالکل نہیں یا بہت کم ہے۔ پینے کے لئے بھی دِقت ہے وہاں اہل محلّہ اور مرکز کے باہمی مشورہ اور تعاون سے بجلی کے کنویں لگا دیئے جائیں گے۔ اس طرح پانی کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ میں نے بعد میں یہ بھی اعلان کیا تھا کہ دوسرے محلے میں بھی پانی کی ضرورت ہو تو وہ بھی اس قسم کے پروگرام میں شامل ہو جائے۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ ایک اور محلے نے بھی اس طرف توجہ کی ہے تاہم ابھی تک کوئی ٹھوس کام سامنے نہیں آیا یوں لگتا ہے یہ محلے خواب خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں۔ ترقی کے لئے کچھوے کی طرح کی آہستہ آہستہ حرکت تو کوئی حرکت نہیں ہے حالانکہ انسانی صحت کے لئے پانی بہت ضروری ہے۔ نمکین پانی پینے کی کچھ عادت بھی پڑ گئی ہے۔ اس لئے میٹھے پانی کے انتظام کیلئے فوری توجہ نہیں دی جا رہی۔ علاوہ پینے کی ضرورت کے اگر ہم نے درختوں کیلئے پانی کا انتظام کرنا ہے تو پھر چونکہ فروری کے آخر سے درخت لگانے کا موسم شروع ہو رہا ہے اس سے پہلے یہ کنوئیں چالو ہونے چاہئیں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ مثلاً جس وقت گندم لگانے کا موسم ختم ہو جائے اس وقت ہم یہ کہہ دیں کہ ہم نے کھاد کی صحیح تقسیم کا اعلان کر دیا ہے نتیجہ اسی کام کا نکلا کرتا ہے جس کو خدائی قانون کے مطابق وقت پر کیا جائے بے وقت کام کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کرتا۔ اسی لئے عمل صالح میں حال کے مطابق کام کرنے کی شرط بھی شامل ہے یعنی جو کام کرنے کا وقت ہے اس کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے درخت لگانے کا موسم سال میں ایک دفعہ فروری مارچ میں آتا ہے اگر اس موسم کی بجائے دسمبر جنوری میں درخت لگائے جائیں تو ظاہر ہے کہ جہاں تک درخت لگانے کا سوال ہے یہ عمل صالح نہیں کہلائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ موسم درخت لگانے کا نہیں درختوں کے سُلانے کا رکھا ہے۔ بعض درخت بہت گہری اور لمبی نیند لیتے ہیں مثلاً سیب کا درخت ہے یہ ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں اسے پانچ چھ مہینے کی نیند مل جائے۔ اتنی لمبی نیند اسے کشمیر میں بھی ملتی ہے اس لئے کشمیر کا سیب بہت مشہور ہے۔ غرض جہاں بھی ایسا موسم ہوگا وہاں کا سیب بہت اچھا ہوگا۔ اسی لئے اب سوات میں بھی بہت اچھے سیب ہونے لگ گئے ہیں۔ سیب کی بعض قسمیں ایسی بھی ہیں جن کے درخت چودہ چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوتے ہیں اور وہ آٹھ مہینے تک نیند لیتے ہیں۔ پس جس وقت درختوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے اس وقت اگر آپ درخت لگائیں گے تو وہ مر جائیں گے کیونکہ اس موسم میں کوئی درخت جڑ نہیں پکڑے گا۔

غرض وہی کام نتیجہ خیز ہوتا ہے جسے وقت پر کیا جائے بے وقت کا کام بتاتا ہے کہ کام کرنے والے شخص کو اپنے کام سے پیار نہیں ہے وہ تو یونہی بیگار کاٹ رہا ہے۔ ہمارے اس کام کی جو پہلی سٹیج ہے یا اس کا جو پہلا قدم ہے وہ دو کنوئیں لگانے کا تو یقیناً ہے۔ اگر کسی اور محلے میں تیسرے کنوئیں کے لگانے کا پروگرام بھی شامل ہو اور وہ محلّہ اپنے آپ کو حق دار بنا لے تو اس کو بھی حصہ مِل جائے گا لیکن اگر وہ فی الواقعہ حق دار نہ ہو تو اس کو حصہ نہیں ملے گا۔ ۲۰-۲۵؍فروری سے پہلے پہلے یہ کنوئیں بہرحال چالو ہو جانے چاہئیں۔ اسی طرح اگر درخت فروری میں لگانے ہیں تو ابھی سے ان کے لئے گڑھے کھود لینے چاہئیں۔ مجھے یہ رپورٹ ملی ہے کہ محلے اس طرف توجہ نہیں کر رہے۔ تمام محلوں کو چاہیئے کہ وہ ابھی سے گڑھے کھودنے کا کام شروع کر دیں گڑھے کھود کر ان میں مٹی (بھل) ڈال دی جائے۔ پھر جس قسم کی کھاد درختوں کے لئے موزوں ہوتی ہے مہیا کی جائے۔ درختوں کے لگانے کے بعد ان کی حفاظت کی جائے جو بچے درختوں کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کو وہاں کا نگران بنا دیا جائے۔ آپ ان سے کہیں کہ تم ان درختوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہو جتنے درخت لگیں گے ان میں سے نصف تو آپ نے انشاء اللہ ضرور پالنے ہیں۔ ان ۵۰ فیصد میں سے جتنے درخت آپ نہ پال سکیں مثلاً کسی جگہ سو

درخت پلنے ہیں (دوصد میں سے) ان میں سے آپ ۹۵ فیصد کو پال سکے ہیں اور ۵ ضائع ہو گئے ہیں تو آپ آپس میں مشورہ کر کے یہ فیصلہ کریں کہ آپ اہل محلّہ اپنے اوپر دس روپے فی درخت اجتماعی جرمانہ ادا کریں گے اور اس طرح جو رقم جمع ہوگی وہ شجرکاری ہی پر خرچ ہوا کرے گی۔ پس تمام محلوں کے صدر صاحبان کو میں یہ ہدایت کرتا ہوں کہ وہ آج شام کو اپنی مجالس عاملہ کو اکٹھا کر کے باہمی مشورہ سے اپنے اپنے حالات کے مطابق یہ طے کرلیں کہ پچاس فی صد میں سے ضائع ہونے والے درختوں پر فی درخت دس روپے یا ساڑھے نو روپے یا سوا نو روپے یا نو روپے دوآنے تک محلّہ جرمانہ ادا کرے گا۔ حالات کے مطابق میرے مشورہ سے تبدیلی بھی ہوسکتی ہے۔ دوسرے مجلس صحت کے نگران کو چاہیئے کہ وہ تین ہزار کی بجائے دس ہزار درختوں کے منگوانے کا انتظام کریں۔ حکومت پانچ پیسے فی درخت یعنی پانچ روپے فی سینکڑہ کے حساب سے درخت دیتی ہے۔ یہ بڑا سستا سودا ہے۔ تاہم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ دوست یا کچھ محلے ایسے ہوں جو اتنی رقم بھی خرچ نہ کر سکتے ہوں لیکن اگر وہ یہ فیصلہ کرلیں کہ درخت ضائع ہونے کی صورت میں وہ نو دس روپے جرمانہ ادا کریں گے تو ہم ان کو شروع میں درخت مفت دے دیں گے اگر وہ ہم سے زائد قیمت پر درخت خرید لیں تو پھر ان کو جرمانہ نہیں ہوگا جو انہوں نے خود ہی اپنے اوپر عائد کرنا ہے۔ پھر وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے چونکہ زیادہ پیسے دے کر درخت خریدے ہیں اور گویا شروع میں جرمانہ ادا کر دیا ہے اس لئے اب ہم سے نہ لو۔

بہرحال درخت لگنے چاہئیں سڑکوں کے کناروں پر اور کھلے میدانوں میں ہر جگہ درخت لگنے چاہئیں۔ فی الحال اُن جگہوں پر بھی درخت لگا دیں جہاں مثلاً کسی کا مکان بننے والا ہے۔ اس سلسلہ میں جماعت کی طرف سے یہ اعلان کر دیتا ہوں کہ جن دوستوں کے قطعات میں ابھی تک مکان تعمیر نہیں ہوئے اُن میں بھی درخت لگا دیئے جائیں جب وہ مکان بنائیں تو درخت کاٹ لئے جائیں ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ اُن کی زمین اچھی ہو جائے گی تاہم اس شخص کا جس نے ابھی اپنے قطعہ زمین پر مکان نہیں بنایا حق ہے کہ وہ کہے کہ میں ایسا نہیں کرنے دوں گا اس لئے وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے قطعہ میں جلدی مکان بنانا ہے اس لئے اجتماعی درخت نہیں لگنے چاہئیں وہ نظارت امورعامہ کو اطلاع دے ہم اس کے قطعہ میں

درخت نہیں لگائیں گے لیکن جو شخص اطلاع نہیں دے گا تو جس طرح کنواری بچی سے اس کے نکاح کے موقع پر رضامندی لی جاتی ہے کہ اگر وہ شرم کے مارے خاموش رہے تو اس کی خاموشی رضامندی سمجھ لی جاتی ہے اسی طرح خالی قطعات کے مالکان کی خاموشی بھی رضامندی متصوّر ہوگی جو شخص یہ کہے گا کہ اس کے قطعہ میں درخت نہ لگائے جائیں تو محلّہ ذمہ دار ہے۔ اُس کے قطعہ میں درخت نہیں لگے گا تاہم ایسے لوگوں کو میں بتا دیتا ہوں کہ اس طرح اُن کے لئے فائدہ ہے درختوں سے زمین کی شکل بدل جاتی ہے پس اجازت دینا اُن کا کام ہے میرا اور آپ کا کام نہیں ہے۔

یہ تو تھی زندگی اور موت کی حقیقت جس کو میں نے اس وقت مختصراً بیان کیا ہے۔اب میں ایک بڑی دُکھ دہ اور خطرناک خبر کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں جو آج کے اخبارات میں چھپی ہے چونکہ وہ اخباری خبر ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ درست نہ ہو یا کیونکہ وہ اخباری خبر ہے ہوسکتا ہے اس کے الفاظ درست نہ ہوں یا اس سے ملتے جُلتے الفاظ ہوں۔اگر یہ خبر صحیح ہے تو میں اس کے متعلق کچھ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔میں اس بارہ میں خاموش نہیں رہ سکتا آج میں اس کے متعلق کچھ باتیں اصولی طور پر بیان کر دیتا ہوں۔اصل الفاظ معلوم ہوجانے پر اس کے متعلق قرآن کریم ہی کی روشنی میں زیادہ تفصیل سے اہل ملک کو اس سے متعارف کرانے کی کوشش کروں گا۔

خبر یہ ہے کہ آج ۲۶؍جنوری کے روزنامہ مشرق لاہور میں چھپا ہے کہ پنجاب اسمبلی میں ایک صاحب نے قانون کا ایک مسودہ پیش کیا ہے اور یہ تجویز کیا ہے کہ کسی اخبار یا رسالہ یا دوسری مطبوعات میں جب قرآن کریم کی کسی آیت کا حوالہ دینا مطلوب ہو تو قرآن کریم کی اصل آیت درج کرنے کی بجائے اس کا ترجمہ لکھا جائے یعنی قرآن کریم کے الفاظ کسی اخبار یا کسی رسالے یا کسی کتاب میں نہ چھاپے جائیں۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اس سلسلہ میں یہ وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اخبارات وغیرہ میں چھپنے کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات کی بے حرمتی ہوتی ہے گویا ان کی تحریم کے لئے یہ مسودہ قانون پیش کیا گیا ہے۔مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی تو بڑا ہی مبارک اور

قابل صد احترام ہے۔ پھر کل یہ بل پیش ہو جائے گا کہ کسی اخبار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک شائع نہ کیا جائے۔ یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوگا بلکہ بڑھتے بڑھتے اس سب سے بزرگ و برتر اور حرمت و احترام اور بزرگی اور نیکی اور نور کے سرچشمہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات تک جا پہنچے گا جس کا قرآن کریم میں جا بجا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ پھر ایک بل یہ پیش ہو جائے گا کہ کسی اخبار یا رسالے یا مطبوعات میں اللہ تعالیٰ کا نام شائع نہ کیا جائے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اسلام دشمنی کے نتیجہ میں یہ مسودہ قانون پیش کیا گیا ہے کیونکہ ہمیں یہ حکم ہے کہ حسن ظن کی راہ کو اختیار کیا جائے۔ پس میں یہ الزام نہیں دیتا کہ اسلام کے خلاف جان بوجھ کر یہ حملہ کیا گیا ہے لیکن میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ ذہنیت صرف اس شخص کی ہو سکتی ہے جس کو اسلام کے الف اور ب سے بھی واقفیت نہ ہو۔

غرض یہ اسلام دشمنی کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اسلام سے ناواقفیت کے نتیجہ میں اور قرآن کریم اور اس کی افادیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ مسودہ پیش کیا گیا ہے۔ میرا نفس یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ اس مسودہ کو اکثریت رد کر دے بلکہ میرا نفس پاکستانی شہریوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس شخص کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنا مسودہ واپس لے لے کیونکہ اس کا اسمبلی میں پیش ہو کر زیرِ بحث آنا بھی میرے نزدیک قرآن کریم کی بے حُرمتی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر حرمت قرآن کریم کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت نہ کسی اخبار میں نہ کسی رسالہ میں اور نہ کسی کتاب میں عربی الفاظ میں لکھی جائے گی اور اسے حرمت قرار دیا جائے گا اور اسے درست سمجھ لیا جائے گا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تمام کتب جو امت محمدیہ میں ہمارے بزرگ اور اولیا اللہ نے لکھی ہیں جس میں وہ اپنے استدلال کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیت پر آیت درج کرتے چلے گئے ہیں ان سب کی اشاعت بھی یہاں بند ہو جائے گی اور اگر بند نہیں ہوگی تو عقلاً یہ قانون نامعقول ٹھہرے گا کیونکہ مطلوب ہے۔ قرآن کریم کی آیات کی حرمت اور طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ کسی کتاب اور رسالہ میں نہ چھپے تو پھر جو کتابیں پہلے چھپ چکی ہیں جن میں آیات کی بے حرمتی کا اسی طرح سوال ہے جس طرح رسالوں میں ہے تو پھر ان کتابوں کی اشاعت کی اجازت

کیسے دی جاسکتی ہے۔ اگر آپ نے شائع نہیں کرنیں تو مثلاً ھدایہ جو فقہ کی مشہور کتاب ہے اور حدیث کی ساری کتابیں تو گئیں۔ پھر تو صحیح بخاری شائع نہیں ہوگی کیونکہ اس میں قرآن کریم کی آیات لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوگی علی ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کے وہ سینکڑوں ہزاروں محبوب بندے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود معلم بن کر قرآن کریم کے رموز واسرار سکھائے تھے ان کی کتابوں کی اشاعت بند ہو جائے گی۔

تجویز پیش کنندہ کہتے ہیں ورق پھٹ جاتے ہیں ادھر اُدھر بکھر جاتے ہیں تو آیات کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی آیات نہیں چھپ سکتیں لیکن جس طرح بخاری شریف کے اوراق جن پر قرآن کریم کی آیات ہوں وہ پھٹ سکتے ہیں اور بکھر سکتے ہیں اور تمہارے نزدیک بے حرمتی ہوتی ہے اسی طرح قرآن کریم مترجم کے اوراق بھی پھٹ سکتے ہیں اور بکھر سکتے ہیں اور تمہارے نزدیک اُن کی بے حرمتی ہوتی ہے تو اس واسطے قرآن کریم مترجم کی اشاعت بھی بند ہونی چاہیئے یعنی اگر غلطی کی حد تک اس نامعقول تجویز پر عمل کیا جائے تو پھر یہی مشکل بنتی ہے پھر تو سب سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ خود قرآن کریم کا متن شائع کرنا کیونکہ قرآن کریم کا ترجمہ تو عام طور پر بڑی عمر کے آدمی کے ہاتھ میں نظر آتا ہے مثلاً آٹھویں نویں کا طالبعلم ہے اور سمجھدار ہے یا کالج کے طلباء ہیں یا دوسرے پڑھے لکھے لوگ قرآن کریم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اگر ان سے بے احتیاطی ہوسکتی ہے تو ایک بچہ جو پہلی جماعت میں پڑھتا ہے اور اس نے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا شروع کیا کیا اس سے بے احتیاطی نہیں ہوسکتی؟ اس سے بھی بعض دفعہ قرآن کریم پھٹتا ہے کیونکہ بچہ بچہ ہی ہوتا ہے خود مجھ سے بچپن میں قرآن کریم پڑھتے وقت دو تین قرآن کریم کے کئی جگہ سے اوراق پھٹ جاتے رہے۔ پس بچوں سے بے احتیاطی ہو جاتی ہے۔ اب ہم اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں تو وہ قرآن کریم کے صفحے پھاڑ دیتے ہیں اس لئے ہم نے پہلے پانچ پارے اور آخری پارہ (جو بالعموم بچوں کو پہلے پڑھایا جاتا ہے) الگ طور پر ایک ایک پارہ کر کے شائع کیا ہے تاکہ جو بچہ اپنے بچپن کی وجہ سے بے احتیاطی کے نتیجہ میں اوراق پھاڑ دیتا ہے اُسے ہر دفعہ زیادہ قیمت پر ایک نیا قرآن کریم خریدنا نہ پڑے مثلاً اگر کسی بچے کا قرآن کریم پڑھتے وقت پہلا پارہ ختم ہونے سے پہلے پھٹ گیا تو نیا پارہ دس بیس پیسے

میں مل جاتا ہے لیکن سارا قرآن کریم اُسے پانچ چھ روپے میں ملتا ہے۔ پس سب سے زیادہ بے حرمتی کا (اگر یہ بے حرمتی ہے) تو قرآن کریم کے متن کو خدشہ ہے اس لئے اسے کہو گے قرآن کریم کے متن کو شائع کرنا بند کرو۔ پھر تم جا کر شیطان کی گود میں بیٹھو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کس طرح بیٹھ سکتے ہو۔ میں نے بتایا ہے کہ ایک احمدی کا مقام عقل وفراست کے لحاظ سے بھی بڑا اونچا ہے ہم قرآن کریم کی ہر آیت بلکہ اس کے لفظ اور ہر شعشے کی حرمت کے لفظی اور معنوی ہر دو لحاظ سے قائل اور اس کی تعلیمات پر چلنے والے ہیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ تجویز ایسی ہے کہ اس سے بالآخر قرآن کریم کی اشاعت کے بند ہونے کا خدشہ ہے۔ بے حرمتی کا تدارک اپنی جگہ نہایت ضروری ہے لیکن قرآن کریم اور اس کی آیات کی ہمہ گیر افادیت اور عالمگیر اشاعت کے پیش نظر اس قسم کی پابندی نہ عقلاً صحیح ہے اور نہ مذہباً جائز۔ اس لئے ہم حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس شخص کو اسلام دشمن نہیں سمجھتے البتہ اسلام سے ناواقف ضرور سمجھتے ہیں دوسرے یہ کہ نہ صرف اسلامی تعلیم سے بے بہرہ بلکہ اس نے عقل کے جو عام تقاضے ہیں ان کو بھی مدّ نظر نہیں رکھا تیسرے مَیں نے اس وقت اپنے پاکستانی بھائیوں سے یہ عرض کیا ہے کہ تجویز کنندہ کو سمجھایا جائے دلیل کے ساتھ اور پیار کے ساتھ کہ وہ اس قسم کا غلط مسودہ قانون واپس لے لیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں کسی اسمبلی میں بل کا پیش ہو کر ردّ ہو جانا بھی قرآن کریم کی بے حرمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ہماری زندگیوں پر حاوی کر کے بھیجا ہے اس کو تو ہم نے اپنے سینے سے لگانا ہے تا کہ اس کے نور سے ہمارے سینے کے داغ دُھل جائیں اور ظلمات چھٹ جائیں میں نے پچھلے سال چند خطبات يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا (الفرقان: ۳۱) پر دیئے تھے۔ مَیں نے ان خطبات میں بھی قرآن کریم کے بارہ میں اس قسم کے توہمات اور غلط باتوں اور ان کے ازالہ کی طرف توجہ دلائی تھی مگر آج تو میں روزنامہ مشرق کی یہ خبر پڑھ کر سخت پریشان ہوا ہوں۔ قرآن کریم ہماری جان ہے اس لئے یہ کہنا کہ ایک مسلمان اپنی جان کو چھوڑ سکتا ہے درست نہیں اس طرح وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر مسلمان نے انفرادی اور اجتماعی ہر دو رنگ میں زندگی کو حاصل کرنا ہے یعنی اس نے زندہ رہنا اور باقی رہنا اور ترقیات حاصل کرنی ہیں تو اسے

قرآن کریم کو اپنی زندگی کی روح رواں بنانا پڑے گا بلکہ میں تو کہتا ہوں قرآن کریم کی روح اس کی بھی روح ہے اس کی زندگی اور اس کے جسم کی حرارت ہے اس کے دل کا چین ہے اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس عظمت اور ان خوبیوں کے مالک قرآن کریم کو تم کیسے دُور کر دو گے یا اس کی آیات کو کتابوں سے کیسے الگ کر دو گے۔

پس جیسا کہ میں نے مختصراً بتایا ہے یہ بات بظاہر نامعقول بھی ہے اور ہوسکتا ہے مشرق نے اسے جن الفاظ میں پیش کیا ہے وہ اصل حقیقت پر مبنی نہ ہوں۔ اس وقت میں نے اس ''اگر'' کے ساتھ کچھ اظہار خیال کیا ہے کیونکہ میں آج کے دن آج کی اس خبر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ہم اس مسودہ کے اصل الفاظ منگوانے کی کوشش کریں گے اس وقت تک ہم اس کے متعلق مزید کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اس بارہ میں غصہ کرنے کی بات نہیں نہ خفگی کی ضرورت ہے اور نہ ہی طیش میں آنے کی ضرورت ہے قرآن کریم کے متعلق یہ بات ہو رہی ہے جو خود پیار کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے جس نے کبھی ختم نہیں ہونا یہ پیار ہی ہے جس سے اس نے دُنیا کو رام کیا اور اسلام کی صداقتوں کا قائل کیا اور لوگوں کے دلوں کو جیت لیا۔ آئندہ جیتے گا۔ اس کام کے لئے جماعت احمدیہ کو قائم کیا گیا ہے اس لئے ایسے موقع پر پیار کے ساتھ سمجھانا ضروری ہے پس غصہ کے اظہار کے بغیر آپ اُسے بڑے پیار سے لکھیں کہ غفلت سے یا لاعلمی کے نتیجہ میں آپ سے یہ غلطی ہوگئی ہے اس قسم کا بل پیش نہیں ہونا چاہیئے یہ ہمارے دلوں کو دُکھانے والا مسودہ ہے اس کو واپس لے لینا چاہیئے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے اور اس قسم کی باتوں سے بچنے کی توفیق بخشے۔ اصل مسودہ کے الفاظ منگوا کر اگر ضرورت سمجھی تو میں انشاء اللہ زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالوں گا۔ بہر حال یہ ایسی بات نہیں ہے جس پر کوئی مسلمان فرقہ خاموش رہ سکے یہ صحیح ہے کہ آج کل تکفیر کا بازار گرم ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ سب فرقوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم ایک نُور ہے اس دعویٰ کے مطابق اس بارہ میں ہر مسلمان کا ردعمل ہونا چاہیئے تا کہ دنیا پر ثابت ہو جائے کہ قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں کا دعویٰ صحیح ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍جولائی ۱۹۷۳ء صفحہ ۲ تا ۷)